



جمیر انگاہ

ڈاٹ کام

www.paksociety.com

خوشی کے لمحے مختصر ہوتے ہیں جبکہ دکھ اور تکلیف کا دورانیہ کم ہوتا بھی بہت لگتا ہے اور انکے گزر جانے کے بعد انہیں بھلا دینا آسان نہیں ہوتا۔ اسکے ساتھ بھی تو کچھ ایسا ہی ہوا تھا مگر اسکے لئے بھلانا آسان نہیں، ناممکن تھا۔

موس بدل چکا تھا۔ سردی دھیرے دھیرے رخصت ہو رہی تھی۔ پیڑوں پر کوپلیں بچوٹ رہی تھیں، ساری وادیاں پھر سے سر بز ہو گئی تھیں۔ پھاڑوں نے بزر مخل کا لباس پہن لیا تھا۔ میٹھی میٹھی خوابناک جزیروں کی سطح پر بچھی ہوئی سر بز گھاس، روح میں اُتر جانیوالی خوبیوں کی پیشانی پر بوسے دے رہی تھی۔ سفید برف اس طرح پھگل رہی تھی جیسے آنسو بہتے ہوں۔ بچوں کی جوانی کا موسم پورے عروج پر تھا۔ باداموں کے جھنڈ سے گزرنے والی ہوا تالیاں بجا کر جوش و خروش سے بہار کا استقبال کرنے میں ہمہ تن گوش تھی۔ انگور کی بیلیں، شہتوں کی ڈال اور لمبھاتی کھیتیاں، قدرت کی رعنائیاں سب کچھ تو تھا اسکے پاس لیکن اندر دلی گھرا یوں میں جمی برف کی وجہ سے موسم سرد تھا۔ روح کی تنہائیوں میں کہیں بہت گھر اور دھما جو اسے ان بدلتے موسموں سے، لگناتے آبشاروں سے لطف اندوز نہ ہونے دیتا، وہ کتنی دفعہ ٹوٹ کے بکھری تھی، بس وہی جانتی تھی، اسکے زخموں پر کسی نے مرہم نہ رکھا۔ بظاہر اسکا زخم بھر گیا لیکن اندر سے آج بھی زخم ہرا تھا۔ وہ چپ چاپ باداموں کے باغ میں پیٹھی، ٹھنڈی میٹھی ہوا کو اپنے اندر آتا رہی تھی تاکہ وہ آگ بجھ سکے جو کبھی سال قبل اسکے من میں لگی تھی لیکن وہ آگ بجھنے کی بجائے مزید بھڑکتی جا رہی تھی۔ "واہ خدا یا کیا نظام ہستی ہے تیرا کہ کچھ لوگ توارہوں میں کائنے بو کر منزل پالیتے ہیں، نیک نامی حاصل کر لیتے ہیں اور کچھ راستے میں پگول آگانے کے بعد بھی بد نامی کا داغ چہرے پر سجالیتے ہیں۔ کوئی دو قدم چلے تو منزل مقدر ٹھہر تی ہے اور کوئی کسی کے قدموں کی خاک بن کر بھی منزل تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا"۔ اس سے پہلے کہ اسکی سوچیں اسے ماضی میں دھکیلیتیں، ننھی مریم کی آواز سے حال میں واپس کھینچ لائی۔

"ماما! جلدی گھر چلیں آپکو نا بولار ہے ہیں"۔ وہ اسے جھنجھوڑ رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔ اچھا۔۔۔ چلو"؛ وہ گڑ بڑائی جلدی سے ڈوپٹے کے پلو سے برستی آنکھوں کو صاف کیا اور ڈوپٹہ اچھی طرح اوڑھنے کے بعد مریم کی ساتھ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی کی جانب چل دی۔

"ماما! آپ رو رہی تھیں نا۔۔۔ آپکو بابا یاد آرہے تھے نا؟"۔ مریم منہ ب سور کر رہیں کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہوا بیٹا! چلو نا۔ نا کھانے پر انتظار کر رہے ہوں گے"۔ وہ اسے بھلانے لگی لیکن مریم ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"پہلے بتائیں آپ کیوں رو رہی تھیں؟"۔ وہ اتنی چھوٹی سی عمر میں ہی بہت حساس تھی۔ کسی کا ایک آنسو سے بہت پریشان کر دیتا تھا۔ وہ کسی کو رنجیدہ اور تکلیف میں نہ دیکھ سکتی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا۔۔۔"۔ وہ اسے کیا بتاتی کہ ماضی کی پرچھائیاں اب تک اسکے حال سے پیٹھی ہیں یا پھر یہ کہ اس کے ناکردار گناہوں کی بہت بڑی سزا مل رہی ہے۔ وہ خاموش رہی۔ مریم نے ایک دو منٹ انتظار کیا لیکن جب گل زریں کچھ نہ بولی تو مریم نے اسکا ہاتھ چھوڑ دیا اور بھاگتی ہوئی حویلی میں داخل ہو گئی۔ اس نے ایک گھری سانس لیکر ہوا کو اپنے اندر آتا را اور حویلی کی جانب بڑھی لیکن ہال کمرے میں داخل ہونے سے قبل اندر سے آتی آوازوں نے اسے ویس رُک دیا جہاں وہ کھڑی تھی۔

"آغا جی، ہم نے آج تک گل زریں کا برا نہیں چاہا۔ آپ ایک دفعہ اس سے بات کر کے تو دیکھیں، شاید وہ مانا جائے"۔ داورخان کی آوازوہ بخوبی پہنچاتی تھی۔

"بیٹا! میں جانتا ہوں وہ بھی نہیں مانے گی، نہ آج نہ کل، میں ڈرتا ہوں کہ میری کسی بات سے اسکو تکلیف نہ پہنچے اور پھر مریم بھی تو ہے"۔
ہمایوں خان آفریدی کی آواز گونجی۔

"آغا جی! مریم پہلے بھی ہم سب سے بہت ایجاد ہے، وہ بہت سمجھدار بھی ہے"۔ پتہ نہیں وہ کیا باور کرانا چاہ رہا تھا۔ گل زریں نے کچھ لمحے توقف کیا پھر ہال کمرے میں داخل ہو گئی۔ اسے اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

"آؤ آؤ گل زریں! کیسی ہوں؟"۔ اسے دیکھ کر داورخان آفریدی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں ٹھیک ہوں لالہ۔ آپ کیسے ہیں؟ پور دل اور شیرخان کا کیا حال ہے؟" وہ چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولی تو وہ بھی بشاشت سے مُسکرا دیا۔

"بالکل ٹھیک"۔

"شہر سے کب آئے؟ مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں؟"۔ وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"رات آیا تھا، ابھی جا رہا ہوں نو کری کا مسئلہ ہے ورنہ ضرور کتنا۔" وہ اسکے سر پر چپت رسید کرتے ہوئے بولا۔
"خونواہ تم نے سر کاری نو کری کا درد سر مول لیا ہوا ہے۔ زمین اور باغات سنبھالو اپنے، اب میری بوڑھی پڑیوں میں اتنا دم خم کھاں کہ
ہر طرف توجہ دے سکوں۔" آنگانی کی بات سن کروہ مسکرا یا۔
"کچھ کرتے ہیں آنگانی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا بیٹھو، کھانا تو کھالو۔" ہمایوں آفریدی اسے دیکھ کر بولے۔

"نہیں آگاہی! میں اب چلوں گا۔ اماں بھی گل زریں کیلتے بہت پریشان ہیں۔ آپ جلد ہی کوئی فیصلہ کر لیں۔" وہ رکا نہیں چلا گیا اور گل زریں حیران و پریشان کمگھی جاتے ہوئے داورخان کی طرف دیکھتی اور کمگھی اپنی نظریں سامنے پیٹھے باپ جیسے چھپا پر ڈالتی۔

"کیا بات ہے آگاہی! داور لالہ کیوں آئے تھے یہاں؟" وہ زیادہ دیر خاموش نہ رہ سکی۔ "کیا فیصلہ کرنا ہے آپکو پلیز آگاہی بتائیں نہ"۔

"بیٹا! داور کا خیال ہے کہ اب تمہاری شادی کر دینی چاہیے۔ تمہاری امال بی بہت پریشان ہیں تمہارے لئے۔ وہ دو لوگ بات کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

"آغا جی! کیا میں اور میری بیٹی آپ پر بوجھ بن گئی ہیں؟ کیا اس حوالی میں جگی تنگ ہو گئی ہے یا آپ لوگوں کے دل تنگ پڑ گئے ہیں۔ میں یہ حوالی چھوڑ کے چلی جاتی ہوں آغا جی کیونہ مجھے یہ حوالی چھوڑنا تو منظور ہے لیکن دوسرا فیصلہ کرنا قطعاً قبول نہیں۔ آخر میری بیٹی کا سماں قصور ہے۔ اسے کس بات کی مزادی جاری ہے؟ جب میں نے مرنانا چاہا تو آپ نے مجھے مرنے نہیں دیا اور آج جب مریم کو دیکھ کر مجھ میں جینے کی آمنگ پیدا ہوئی ہے تو آپ مجھے مار دینا چاہتے ہیں۔ آغا جی کیوں کر رہے ہیں آپ ایسا؟" اس نے اسقدر واضح بات کی تھی کہ وہ گنگ ہو کر رہ گئے۔

ماحول پر ایک بار پھر سکوت چھا گیا، جیسے وہاں کوئی ذی روح موجود نہ ہو۔ اس سکوت کو داورخان کی آواز نے توڑا جو گاڑی کی چابی و یہیں ڈانگنگ ٹیبل پر بھول گیا تھا۔

"کسکی بیٹی؟ بولو گل زریں کس کی بیٹی کو سزدی جا رہی ہے؟ ہمیں تو آج تک یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ مریم کا باپ کون ہے؟ تم تو جانتی ہونا، بولو بتاؤ کون ہے اسکا باپ؟" وہ غصے سے بھر پور انداز میں چلا رہا تھا۔ وہ ایک لمحہ کو ڈگما نیلیکن پھر فوراً سنبھل کر بولی۔

"ہمیشہ خان آفریدی کی بیٹی ہے مریم۔ میرا آپ نے داور لالہ! مریم کا باپ ہمیشہ خان ہے۔"

"کس کو تسلی دے رہی ہو گل زریں! خود کو، ہمیں یا پھر۔۔۔ خدا جانے گل زریں تم کب سمجھ پاؤ گی ہماری بات۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ ولدیت کے خانے میں ہمیشہ خان کا نام آنے سے وہ اسکی بیٹی بن گئی ہے۔ تو سراسر غلط سوچتی ہو تم کیونکہ اگر ہمیشہ خان کو اتنا ہی اسکا وجود پسند ہوتا تو اس بات کو ایشو بنا کرو گھرنہ چھوڑتا۔" وہ اسے حقیقت بھرا آئینہ دکھارا تھا۔

"داور لالہ! پلیز آپ گڑھے مردے مت اکھاڑیں۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"میں جانتا ہوں گل زریں! کہ گڑھے مردے اکھاڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیشہ خان کو گئے آٹھ سال ہو گئے ہیں۔ ان آٹھ سالوں میں اس نے مڑ کر خبر نہیں لی۔ کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا اسے میں نے؟ کب تک تم اسکے نام پر بیٹھی رہو گی؟ سہیل خان ایک اچھا آدمی ہے اور سب سے بڑھ کر میرا بہت اچھا دوست ہے۔ اس نے خود تمہیں پر پوز کیا ہے اور ہم نے۔۔۔"

"بس داور لالہ، اس سے زیادہ ایک لفظ نہیں، وہ بے شک اچھا سہی بہت اچھا سہی لیکن میری ماضی کی یادیں اذیت ناک ہیں داور لالہ اور مستقبل کے تفکرات میرے لئے عذاب ہیں۔ کیا ہوا تھا اور کیا ہو گا میں ان سوچوں میں چاروں طرف سے گھر چکی ہوں۔ میں تھک گئی ہوں لڑتے لڑتے۔" وہ ہانپنے لگی تو داور خان نے آگے بڑھ کر اسے پانی کا گلاس پکڑا۔

"ریلیکس گل زریں! تم پریشان نہ ہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اسکی یہ حالت دیکھ کر اسکا دل کٹ کٹ جاتا تھا لیکن وہ کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ اگر کرنے کا سوچتا تو گل زریں کی انا اور ہمیشہ خان سے محبت آڑے آجائی۔ وہ بہت بے بس اور مجبور ہو گیا تھا۔ اس نے اسکا سر آہستہ سے تھپتھپایا اور ٹیبل سے کی رنگ اٹھا کر باہر چل دیا۔

"گل بیٹا! کھانا کھا لو۔ جیسا تم چاہو گی ویراہی ہو گا کیونکہ جو تم جانتی ہو وہ کوئی جان لے تو۔۔۔ خیر چھوڑو۔" آغا جی اسے بہلانے کی کوشش کرنے لگے۔

"نہیں آغا جی! بھوک نہیں ہے۔ وہ گرسی سے اٹھتے ہوئے بولی اور سبک رفتار سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ جب کہ ہمایوں خان آفریدی جانتے تھے کہ وہ ضبط کے کن کڑے مراحل سے گزر رہی ہے۔

ہمایوں خان آفریدی کے دو بھائی تھے۔ ان سے چھوٹے خوشنود آفریدی اور سب سے چھوٹے عمر آفریدی۔ مجھے کے احساس کی رنگینیوں کے ساتھ وہ تینوں بھائی اپنے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ تینوں کی یکے بعد دیگرے شادیاں کر دی گئیں۔ ہمایوں آفریدی کی بیٹی پور دل، خوشنود آفریدی کے دو بیٹے داور خان اور ہمیش خان اور عمر خان کی بیٹی گل زریں انکے مہکتے باغ کے تازہ کھلتے پھول تھے۔ خاندانی ڈشمنی نے چھوٹی سی عمر میں ہی گل زریں سے اس کے باپ کو چھین لیا۔ سارے گھر والوں کی مجتوں کے احساس اور نرم رویوں نے اسے خود سر اور ضدی بنادیا تھا جبکہ پور دل اپنے باپ کی طرح ہی نرم دل تھی۔ یوں ایک حوالی میں رہتے ہوئے وہ سب ایک دوسرے کو دل کی دھڑکنوں میں بسائے رکھتے تھے۔ جب بچے شعور کی منزل کو پہنچے تو داور خان اور پور دل کو نکاح کے بندھن میں باندھ دیا گیا۔ گل زریں اور ہمیش خان کے مزاجوں میں موافق نہ ہونے کی وجہ سے فیصلہ مستقبل پر چھوڑ دیا گیا۔ خوشنود خان اور پور دل کی والدہ زینت خا توں شہر گئے تو واپس خون میں نہا کر آتے۔ ایک روڈ ایکسیڈینٹ میں دونوں جان سے گئے۔ جوں جوں روز و شب کھسکتے جا رہے تھے، گل زریں کی ضمداور خود سری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ہمیش خان نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو گل زریں نے بھی ضمداور شروع کر دی کہ وہ بھی یونیورسٹی میں داخلہ لے گی۔ سب کے سمجھانے کے باوجود اسکی ضمداخت نہ ہوئی تو ہمیش خان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ سمجھنے والی نہ تھی۔

"یہ کیا ڈرامہ ہے؟" وہ غصے سے دھاڑا۔
"کیسا ڈرامہ؟ اگر یونیورسٹی میں پڑھنا ڈرامہ ہے تو میں بھی تمہارے ساتھ اس ڈرامے میں شامل ہو ناچاہتی ہوں۔" وہ اسکے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"شٹ اپ، فضول بولنا بہت آگیا ہے تمہیں۔ تم جانتی ہو کہ ہمارے خاندان میں لڑکیاں صرف میٹرک تک پڑھتی ہیں اسکے باوجود تم نے بی اے کیا۔ پورا دل کو دیکھو آرام سے گھر بیٹھی ہے۔ مگر پتہ نہیں تمہارے دماغ میں کیا خناس سمایا ہے۔" اسکی آواز غصے کی شدت سے پورے کمرے میں گونجی تھی۔

"پورا دل اور مجھ میں بہت فرق ہے ہمیشہ خان! برائے مہربانی مجھے اس سے مت ملاو۔" وہ تنک کر بولی تو اسکا دماغ گھوم گیا۔

"کیا فرق ہے تم دونوں میں، بولو جواب دو؟"

"میں سورج کی بُر نوں کے زریعے آسمان تک نہیں پہنچا چاہتی، شبنم کی طرح پھولوں کے کندھوں کا بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ تم جانتے ہو خان مانگنا میری عادت نہیں ہے، میں صرف فیصلہ سنایا کرتی ہوں۔" وہ دو بدوبولی تو وہ مزید چلتا۔

"یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ فیصلہ کون سناتا ہے اور مانگتا کون ہے گل زریں صاحبہ،" وہ لفظوں کو چبا چبا کر بولا۔

"اس حوالی کے مرد جب تمام عیاشیاں افروڈ کر سکتے ہیں، اپنی مرضی کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ خود پڑھ سکتے ہیں تو پھر حوالی کی عورتوں پر پابندی کیوں؟" اس نے بر اور است اسکی خودداری پر حملہ کیا تو ہمیشہ خان نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا۔

"حد ہوتی ہے گل زریں! بولنے سے پہلے سوچ لیا کرو۔" وہ نرم لمحے میں بولا۔

"ہمیشہ خان! میں سوچ کر بولتی ہوں۔ سب جانتے ہیں کہ میں جو چاہتی ہوں وہ کرتی ہوں۔ اسلئے میں ضرور ماسٹر ز کروں گی۔" وہ اسکے نرم لمحے کو دیکھ کر خود پر قابو پاتی بولی۔

"تو کرو ماسٹر ز کون منع کر رہا ہے؟ مجھے مضا میں بتانا میں سختا ہیں فراہم کر دوں گا تمہیں۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا تو اسکے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"میں اپنی مرضی سے پڑھوں گی ہمیشہ خان! اور اسی یونیورسٹی میں داخلہ لوں گی جس میں تم لے رہے ہو۔" وہ فاتحانہ انداز میں اسکی طرف دیکھتے ہوئے بیٹھ پڑی گئی جبکہ وہ لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

"سب کے سمجھانے کے باوجود اسکی ایک ہی ضم تھی کہ وہ داخلہ ضرور لے گی جب اس نے اپنی خدمتہ چھوڑی تو آنکھی نے ایک اور فیصلہ کیا۔"

"ٹھیک ہے تم یونیورسٹی میں داخلہ لے لو لیکن اس سے پہلے تمہارا اور ہمیشہ خان کا نکاح ہو گا۔"

وہ انکی بات سن کر گنگ رہ گئی لیکن کچھ نہ بولی جانتی تھی ہمیشہ ضرور بولے گا۔

"مگر آغا جی! یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ بہت ضدی ہے اور اور، وہ ہمایوں خان کی بات سن کر ہنچتے سے اکھڑ گیا تھا۔ اس نے تو اس بارے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا اور وہ تو اس کے مقابل کھڑا ہونا چاہتی تھی اور خاندان کی ریت و رواج میں ایسا کب ممکن ہوا تھا۔

"مگر یہ ضروری ہے ہمیشہ خان! کیونکہ اس نے اگر یونیورسٹی میں کوئی اور حماقت کر ڈالی تو ہم کہیں نظر اٹھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ وہ عمر کی بیٹی ہے اور مجھے جان سے بڑھ کر عزیز ہے۔ آغا جی اسے رو برو طلب کر کے اپنی خواہش کا اظہار کر رہے تھے جبکہ وہ کچھ بھی ماننے پر تیار نہ تھا۔

"سارے گھر کی لادی ہے اسلئے ضدی ہے۔ وقت کیسا تھا ساتھ سمجھدار ہو جائے گی۔" وہ اسے سمجھا رہے تھے۔ اسکی زندگی کا ہر فیصلہ آغا جان نے ہی تو کیا تھا۔ اسے ان سے خاص انسیت تھی اسکے لئے ان کا ہر لفظ حرف آخر ہوتا تھا۔ بہت بحث ہوئی لیکن بالآخر ہمیشہ خان نے ہتھیا ڈال دیئے۔

اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ دونوں کے ڈپارٹمنٹ مختلف تھے۔ اسلئے آمنا سامنا بہت کم ہوتا لیکن اس دن تو حد ہی ہو گئی۔ وہ اپنی دوست شائر شنواری کیسا تھا اپنے ڈپارٹمنٹ سے باہر نکل رہی تھی تو سامنے ہی ہمیشہ خان خراماں خراماں چلا آرہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر رکھ لیکن وہ اسے دیکھ کر چپ چاپ آگے نکل گیا۔

"یہ ہمیشہ خان ہے، یونیورسٹی کا لاٹ ترین سٹوڈنٹ، بی ایس آئر ز بھی اسی یونیورسٹی سے کیا ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں میں یکساں مقبول۔" شائر اسے حقیقت سے آگہی دے رہی تھی یہ جانے بغیر کہ اس سے بڑھ کر کون جانتا ہو گا ہمیشہ خان کو۔

"اچھا۔۔۔ اور کوئی انفار میشن؟" وہ مسکرائی۔

"ایک بہن بھی پڑھتی ہے اسکی بیہاں، مریم خان اسی کے ڈپارٹمنٹ میں ہے۔ تم سمجھو چوںی دامن کا ساتھ ہے بہن بھائی کا، وہ چونکی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلوب یہ کہ اسی سال آئی ہے سائے کی طرح دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کیسا تھے چپکے رہتے ہیں۔ نہ تو مریم خان کی کسی سے دوستی ہے اور ہمیشہ خان نے تو اپنے دوستوں تک کوچھوڑ دیا بہن کی وجہ سے۔ اسے ایک لمحے کو تو اپنے کا نوں پر شک گزرا لیکن پھر وہ خاموشی سی سنٹی رہی۔ اسکے اندر چھنا کے سے کچھ ٹوٹ گیا کیونکہ وہ بخوبی جانتی تھی کہ ہمیشہ خان کی کوئی بہن نہیں ہے۔

"چلیں"، "ہشائشہ بولی

"اول۔۔۔ ہاں"، وہ چونگی۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں، سر میں معمولی درد ہے۔ میں باشل جارہی ہوں تم باقی کی کلاسیں لیکر واپس آ جانا۔" وہ چپ چاپ وہاں سے بکل آئی۔ باشل جانے کی بجائے وہ سید حمی انگلش ڈپارٹمنٹ سے ہوتی ہوئی زوالوجی ڈپارٹمنٹ کی طرف چلی آئی۔ سامنے ہی ہمیشہ خان کسی لڑکی کیسا تھے کھڑا تھا۔ وہ گل زریں کو سامنے دیکھ کر لمحے کو بھر کو سینپٹایا لیکن فوراً ہی سنبھل کر آگے بڑھا۔

"آؤ آؤ گل زریں! کیسے آئی ہو؟" گل زریں نے دیکھا کہ اس لڑکی کے چہرے پر ایک سایہ سا آکر گزر گیا۔

"میں ذرا ہمیشہ خان کی مصروفیت دیکھنے آئی تھی۔" وہ پاس کھڑی لڑکی کو دیکھ کر استہزا نیہ انداز میں بولی تو وہ بو کھلا اٹھا۔

"یہ مریم خان ہے گل زریں" وہ تعارف کر دانے لگا۔

"غائبانہ تعارف تو تھا آپ سے لیکن آج آپ کو دیکھ بھی لیا۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" مریم خان نے ہاتھ آگے بڑھایا تو گل زریں نے نخوت سے جھٹک دیا۔

"لیکن مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔۔۔ اور تمہیں تو ہمیشہ خان میں حویلی جا کر پوچھوں گی۔" وہ غصے سے بولی۔

"گل زریں! کوئی بھی بات کرنے سے قبل یاد رکھنا کہ ہوا اپنے ساتھ مٹی بھی اڑا کے لاتی ہے لیکن گھر تعمیر نہیں کر سکتی۔" وہ اسے تنیہ کر رہا تھا لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

"مشورے کا شنگر یہ" وہ پاؤں پٹختی ہوئی چل پڑی۔

"اب کیا ہو گا ہمیشہ خان؟" ، مریم فکر مندی سے بولی۔

"کچھ نہیں ہو گا اچھا ہے گل زریں بات شروع کرے گی تو ہمارا مسئلہ اور آسان ہو جائے گا۔ ویسے بھی آج نہیں تو کل مجھے آنماجی سے بات کرنی تھی نا؟" وہ اطمینان بھرے لبھے میں بولا وہ تو مسکرانے لگی۔

ہمیشہ خان جب حویلی لوٹا تو اسکا خیال تھا کہ اچھا خاصاً فساد برپا ہو چکا ہو گا لیکن وہاں بالکل خاموشی تھی۔ وہ بہت حیران تھا کہ زریں گل اور چپ رہ جائے۔ وہ اس انتظار میں رہا کہ کب گل زریں آنماجی سے بات کرتی ہے تاکہ وہ کھل کر آئیوالے دنوں کا لائحہ عمل تیار کر سکے لیکن جب ہفتہ گزرنے کے باوجود کوئی بات نہ ہو وہ بھی واپس ہائل جانے کی تیاری میں لگ گیا۔ وہ جانے لگا تو داور نے اسے روکا۔

"ہمیشہ خان! آج رُک جاؤ گل چلے جانا۔"

"کیوں لا لالہ؟ خیریت تو ہے؟" - اسکا ما تھا ٹھنکا۔

"ہاں بالکل خیریت ہے۔ گل زریں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ تم کل اسے بھی ساتھ لیتے جانا۔"

"میں کل چلا جاتا لیکن میرا آج جانا بہت ضروری ہے کوئی انو سڈیکیشن ٹائم آرہی ہے اوپر سے" - اسکا دل تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن داور لا لالہ کے سامنے انکار کی جارت بھی نہ تھی۔

"جی لا لالہ" - وہ دروازے کی جانب چل دیا۔

"نہیں بھائی جی! آپ بس چپ ریں سمجھ کیا رکھا ہے اس نے اپنے آپکو" - امام بی مسلسل بول رہی تھیں۔

"نہیں بہن جی! وہ بس ذرا جلدی میں تھا میں خود بات کروں گا اس سے" - آنماجی سر جھکاتے بول رہے تھے۔

"کیا ہوا امام خیر تو ہے؟" - وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"اڑے سارے کہتے تھے وہ بھی ضدی ہے لیکن تو نے تو اسے بھی پیچھے دھکیل دیا۔ کچھ خدا کا خوف نہیں ہے" - وہ اس پر چڑھ دوڑیں۔

"اڑے امام! بات بتائیں گی تو پتہ چلے گانا" - اسکا لبھہ سہا سہا تھا۔

"دیکھ ہمیش خان! میں بول رہی ہوں تو نے اگر گل زریں سے ایسا ناروا سلوک رکھا تو مجھے کچھ اور سوچنا پڑے گا۔ وہ تڑک کر بولیں تو وہ حواس باختہ ہو گیا۔

"اماں ایسا کیا کیا ہے میں نے؟" وہ غصے کو ضبط کرتے ہوئے بولا۔

"آج ہفتہ ہو گیا ہے اسے بخار ہوئے، تجوہ سے اتنا نہ ہو سکا کہ اس پچی کا حال ہی پوچھ لے۔ ارے یہوی ہے وہ تیری۔ یہوی سمجھ کہ نہیں تو چچا زاد سمجھ کر ہی پوچھ لیا ہوتا۔"

وہ اسے تماز رہی تھیں اور اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ تو سمجھا تھا کہ پتہ نہیں گل زریں کیسا تھا ایسا کیا کر دیا اس نے کہ اماں اتنے غصے میں آگئی ہیں۔ وہ چپ چاپ اسکے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے میں پاؤں رکھا اور ٹھنڈک کر رک گیا۔ اسکا پھول کی طرح شاداب چہرہ اک ہفتہ میں کملہ کر رہ گیا تھا۔ خوبصورت کالی آنکھوں میں آداسی کے رنگ تھے۔ اس نے ہمیش خان کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو بید کراون کساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"آؤ ہمیش خان! آج تم میرے کمرے کی راہ کیسے بھول گئے؟" اسکا انداز کو دیکھ کر مسکرا یا پھر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ اماں بتا رہی تھیں کہ تمہیں بخار ہے؟"

"ہمیش خان! ہربات کا پتہ تمہیں اماں سے ہی کیوں چلتا ہے؟ بھی اپنی آنکھیں اور کان بھی کھلے رکھا کرو۔" وہ اسکے غصے سے بھر پورا انداز کو دیکھ کر نہیں دیا۔

"ویسے تم کہیں میری اور مریم کی دوستی کی وجہ سے تو۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے کہیں تم نے ہماری دوستی کو خود پہ جاوی تو نہیں کر لیا کہ بخار جان ہی نہیں چھوڑ رہا۔" وہ سنگل صوفے پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"تم جاؤ اور تمہاری مریم خان، مجھے کیوں پرواہونے لگی تم لوگوں کی۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"اچھا۔۔۔۔۔ ویسے پتہ نہیں کیوں۔۔۔۔۔ مجھے لگ رہا ہے کہ تم جل رہی ہو۔" وہ طنز کرنے سے کب باز آتا تھا۔

"جلتی ہے میری جوتی۔" وہ غصے سے بولی۔

"اوہ۔۔۔۔۔ اتنی محبت ہے مجھ سے کہ جوتی بھی جلتی ہے۔۔۔۔۔ یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہو گیا۔" وہ اسے تو لٹتی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"محبت۔۔۔۔۔ محبت کا لفظ میری ڈکشنری میں نہیں ہے ہمیشہ خان! اور وہ بھی تمہارے ساتھ تھم۔۔۔۔۔ تم دن رات مریم خان کیسا تھا عشق کی پینگیں بڑھا رہے ہو۔" وہ لفظوں کو چبا چبا کر بولی تو ہمیشہ خان کو یوں محسوس ہوا کہ اسکے دماغ کی کوئی نس بچٹ بھی۔

"اوہ یو شٹ آپ۔ حد میں رہو اپنی۔ خبردار آج کے بعد مریم خان کیلئے اس قسم کا کوئی یہودہ لفظ استعمال کیا تو۔۔۔۔۔" وہ بچٹ پڑا۔

"میں اپنی حدود کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم ہی اپنی حدود سے نا بلد ہو۔" اسکا غصہ دیکھ کر گل زریں کے ہونٹوں پر قبسم بھر گیا۔

"میں تمہیں آخری بار تنبیہ کر رہا ہوں مریم خان کے حوالے سے آئندہ ایسی کوئی بات مت کرنا اور نہ نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔" وہ غصے سے دھاڑا۔

"ہمیشہ خان یونیورسٹی میں مریم خان اور تم بہن بھائی مشہور ہو۔ میرے ساتھ کیا جھوٹ بولو گے کیونکہ میں تو تمہاری اور مریم خان کی حقیقت جانتی ہوں نا۔" وہ تنک کر بولی۔

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جھوٹ بولنے کی؟ مریم خان میری عزت ہے نہ صرف میری بلکہ حویلی کی بھی کیونکہ تم جانتی ہو کہ خانوں کی عزت انکی حویلی اور خاندان کی بھی عزت ہوتی ہے۔" وہ رکا نہیں چلا گیا اور وہ اسکے لفظوں پر غور کرتی رہ گئی۔

"یہ کیا کہہ گیا ہے ہمیشہ خان۔۔۔۔۔ عزت۔۔۔۔۔ تو کیا مریم خان اور ہمیشہ خان نے نکاح۔۔۔۔۔؟ اوہ میرے خدا یہ کیسے ممکن ہے؟"۔

وہ رات بھر سوچتی رہی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بخار ٹھیک ہونے کی بجائے لمبا ہوتا چلا گیا۔ جب اسکا میڈیکل سرٹیفیکیٹ یونیورسٹی پہنچا تو دوسرے ہی دن اسکی دوست شااستہ شنواری اسکا حال چال پوچھنے حویلی آدمکی۔

"کیا حال بنا رکھا ہے تم نے۔۔۔۔۔؟ جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ پپر ز شروع ہونیوالے یہیں اور محترمہ یہیں کہ ٹھیک ہوتی دکھائی نہیں دے رہیں۔" وہ اسے پیار بھرے انداز میں ڈانٹ رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔۔۔ اچھا۔" وہ مسکرائی۔ "اچھا نا۔۔۔۔۔ یونیورسٹی کیسی جارہی ہے؟" وہہ جو چائے کی پیاںی اٹھا رہی تھی مسکرانے لگی۔

"یونیورسٹی۔۔۔ اے ون۔۔۔ آجکل بڑہ بملچل مجھی ہے زوالوجی ڈپارٹمنٹ میں"۔ وہ چونکی۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"وہی ہمیشہ خان اور مریم خان کا قصہ۔۔۔ مریم خان جس شخص سے شادی کرنا چاہتی ہے ہمیشہ خان کو وہ سخت ناپسند ہے اسلئے آجکل دونوں ایک دوسرے سے دور دور ہیں"۔ وہ مٹھنگی۔ "کہاں تو بہن بھائی ساتھ کی طرح ایک دوسرے کیساتھ چپکے رہتے تھے کہ ہم جیسے دور سے دیکھ کر ٹھنڈی آئیں بھرتے تھے اور کہاں؟"۔ وہ ایک لمبی آہ بھر کر رہ گئی۔

"ہمیشہ خان کی کوئی بہن نہیں ہے شاہستہ"۔ وہ دکھ سے بولی

"چھوڑو یار! لگتا ہے ادھر بھی کوئی ایسا ہی سلسلہ ہے۔ دیسے یار قصور تمہارا بھی نہیں۔ بندہ ہے ہی ایسا سحر انگیز شخصیت اور پھر ہر وقت ناک پر دھرا غصہ کہ ہر کوئی بلا شرکت غیرے اسکا مالک بانا چاہتا ہے"۔ وہ عقیدت آمیز لمحے میں بولی۔

"یہاں ہر کوئی بدننا چاہتا ہے نا لیکن ڈیسٹریشن اسٹوئری، ہمیشہ خان خود بلا شرکت غیرے میر اماں کب ن چکا ہے"۔ وہ شیریں لب والمحے میں بولی تو شاہستہ کو افسوس ہونے لگا۔

"إتنا سوچو گی اسکے بارے میں تو بخار تو مشکل ہے کہ اُترے"۔ وہ اسکی بات سن کر لب کچلنے لگی۔

"وہ صرف میرا یونیورسٹی فیلو ہی نہیں میرا چچازاد بھی ہے اور اور۔۔۔ اسکے ساتھ ساتھ میرا شوہر بھی"۔ اسکے الفاظ تھے کہ کوئی ایتم بھم۔

"کیا کہا تم نے؟ لگتا ہے بخار تمہارے سر کو چڑھ گیا ہے"۔ وہ اسکی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بو کھلا آٹھی۔

"نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں تو بس إتنا جانتی ہوں کہ زندگی کا لطف عشق کیسا تھا ہے۔ اگر عشق نہ ہو تو زندگی بے سود و زیال ہے، بے نور ہے، ظلمات سے بھی بدتر ہے۔ کاش۔۔۔ کاش میں محبت میں اتنی با اختیار ہوتی کہ وہ میرے دل میں اسکی آنکھوں میں ہوتی"۔ اسکا لمحہ پر یقین اور وثوق بھرا تھا جسے محسوس کر کے شاہستہ مسکرا دی۔

"میری تمام دعائیں اپنی دوست کیلئے ہیں بس إتنا یاد رکھا۔ کہ وقت پر وقت کو ساتھ بنالو تو وقت تمہارا ہو گا کیونکہ جو وقت کو مٹھی میں بند کرتا ہے وقت اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ وقت بے پرواہ ہے گل زریں، یہ کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ اسلئے اس سے قبل سے وقت تمہاری نازک ہتھیلی سے

سرک جائے اسے مضبوطی سے تھام لو۔ اپنی مجتوں، اپنی وفاوں اور اپنے ولسوں کو ہمیشہ خان تک پہنچاؤ۔ ایسا نہ کہ خانوں کی ریت کے مطابق صرف حوالی تک مدد و درہ جاؤ۔ وہ اسے مستقبل کا لائچہ عمل تیار کرنے میں مدد دے رہی تھی اور گل زر میں چپ چاپ زندگی کی گزرتی ساعتوں کے متعلق سوچ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ پتھر میں جونک لگ سکتی ہے، منگال خ چٹانوں کو چیر کر کوئی نرم و نازک پودانشوونما پا سکتا ہے مگر جنکے دل پتھر ہو جائیں ان میں نرمی و گدراز پیدا کرنا آن کام نہیں۔

وقت ریت کی طرح پاتھوں سے پھسلتا جا رہا تھا۔ ان دونوں کام اسٹر ز مکمل ہو گیا تو حقیقتاً حویلی کے درود یوار دہل کر رہے گئے۔

"آنچی اب مریم کی پڑھائی مکمل ہو چکی ہے۔ میں اسے حویلی لانا چاہتا ہوں۔" وہ ہمایوں خان کے سامنے بیٹھا سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"ہمیشہ خان یہ کیسے ممکن ہے؟"۔ وہ نہاہت تحمل سے بولے۔ انگی کپنٹی کی ابھرتی رگ انکے ضبط و استقامت کی گواہ تھی۔

"اس میں نا ممکن کیا ہے آغا جی؟ وہ میری عزت ہے اور اس حوالے سے اس حویلی کی بھی عزت ہے۔" آہستہ آہستہ لیکن مدلل انداز میں اپنی بات سمجھا رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔۔۔ نہ وہ تو ہماری عزت ہے، نہ تمہاری اور نہ اس حویلی کی۔ آنھوں نے تمہیں بھی خریدا ہے ہمیشہ خان اس محبت کا واسطہ دے کر جو تمہیں اس خاندان سے ہے"۔

"چلیں ایسا ہی صحیح آغا جی لیکن میں جلد ہی مریم کو حویلی لارپا ہوں"۔ وہ دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"تم ہماری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھار ہے ہو۔ ہم ایسا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے جس سے حویلی کی شان و شوکت میں فرق آئے۔" وہ چلاتے۔

"آپ سے فیصلہ کروانے کون آیا ہے آغا جی؟ میں تو صرف اپنا فیصلہ اس دفعہ سنانے آیا ہوں۔" وہ غصے پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "آغا جی آپ نے گل زر میں کو یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی اجازت دی میں کچھ نہیں بولا، آپ نے اس سے میرا نکاح کیا میں خاموش رہا اور آپ کی خوشی کو مقدم جانتے ہوئے آپ کی خوشی کا تاثر دیا۔ آغا جی اب مریم خان میری خوشی ہے تو آپ بھی میری خوشی پر خوش ہوں کیونکہ مریم خان کے معاملے میں، میں خاموش نہیں رہ سکتا۔

"ہماں خان آفریدی اتنا کمزور نہیں ہوا کہ دوسروں کے فیصلوں پر عمل کرتا پھرے۔" وہ غصے سے دھاڑے لیکن مقابل بھی ہمیشہ خان تھا جس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"آغا جی! دو دنوں تک مریم حویلی میں ہو گی۔ بہتر یہی ہے کہ آپ میری خواہش اور خوشی کو مقدم جانتے ہوئے اجازت دے دیں کیونکہ اگر آپ نے مجھے اجازت نہ دی تو میں میں گل زریں کو طلاق دے دوں گا۔" وہ رُ کا نہیں لمبے لمبے ڈگ بھر تباہر نکل گیا جبکہ ہماں خان آفریدی کا جاہ چشم انگی قدم بوسی کوئی پنجھ آ رہا تھا۔

خوشی نہیں آئی اور زندگی کی امید بھی چلی گئی۔ غم و یہے ہی راستے مسدود کئے کھڑا ہے، زندگی کی ساعتیں گزرتی چلی ج رہی ہیں۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ مریم خان حویلی آچکی تھی۔ گل زریں کا گھر بچانے کیلئے آغا جی اسکی دشمنِ جاں کو خود حویلی لیکر آئے لیکن گل زریں نے اسکے سامنے جانا مناسب نہ سمجھا۔ داور خان پور دل کیسا تھا شہزادی حویلی میں شفت ہو گیا تھا۔ آغا جی نے آہستہ آہستہ اسکو (مریم خان کو) اسکا درجہ دینا شروع کر دیا تھا۔

"کیسی ہو گل زریں؟ مجھے اتنے دن ہو گئے حویلی میں آئے ہوئے لیکن تم سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔" مریم اسے سیڑھیاں اترے دیکھ کر بولی۔

"ہمیشہ خان سے تو ملاقات ہوتی ہے نہ تمہاری۔" وہ اپنے لہجے کی ناگواریت کو چھپاتے ہوئے بولی۔

"ہاں وہ توروز ہی ہوتی ہے۔ پتہ ہے گل زریں میں نے کبھی ایسی شان و شوکت والی زندگی کا سوچا بھی نہیں تھا لیکن جب خوش قسمتی ساتھ دے اور وقت کے چراغ روشن ہوں تو قسمت کے موئی ضرور مل جاتے ہیں۔" وہ گل زریں کیسا تھا چلتے چلتے بولی تو اس نے بغور اسکے چہرے کی جانب دیکھا جو بہت معصوم تھا۔ اس پل اسکے چہرے پر کئی رنگ برے تھے شاید قسمت کے موئی پانے کے رنگ یا ہمیشہ کی محبت کے رنگ۔ وہ دن بدن نکھرتی جا رہی تھی جبکہ گل زریں خود دن بدن نکھرتی جا رہی تھی۔

"قسمت کی دیوی بھجی بھجی الٹا چکر بھجی دیتی ہے مریم خان! پسیرے کی موت ہمیشہ سانپ کے کائٹنے سے ہوتی ہے لیکن سانپ بھی زخم کھا کر ہی مرتا ہے۔ گلاب کے کانٹے اسکے پھول کے رکھوالے ہوتے ہیں لیکن موت کا ذائقہ اکثر وہ مالی کے ہاتھوں چھکلتا ہے۔ وہ لا اونچ کا دروازہ کراس کرتی چلی گئی جبکہ مریم خان جیران و پریشان اسکی باتوں پر غور کرتی جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ کسی نے زور سے دروازہ کھولا اور آندھی کی طرح اندر داخل ہوا۔

"کیا کہا ہے تم نے مریم سے بولو؟" ہمیشہ خان غصے سے بولا جبکہ وہ حیران پریشان اسکی طرف دیکھتی رہ گئی۔

"میں کیوں کچھ کہنے لگی اس سے، اسکا رشتہ ہے مجھ سے جو میں اسے کچھ کہوں گی؟" وہ بیڈ سے اٹھ کر اسکے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"تمہیں کوئی حق بھی نہیں کہ اُسے کچھ کہوا اور برائے مہربانی آئندہ اس سے کوئی بکواس کرنے کی کوشش نہ کرنا اور نہ-----۔"

"ورنہ کیا کر لو گے تم میرا۔۔۔ جو ہے وہ تو نظر آتا ہے ہمیش خان"۔ وہ استہزا نیہ انداز سے بولی۔

"کرنے کو تو میں بہت کچھ کر سکتا ہو گل زریں آفریدی! اور جو تمہیں نظر آتا ہے وہ تمہارتے نظر کا فنور ہے۔" اسکے خشک لبجے میں اب بھی شعلوں کی سی تپش تھی۔

"ہو گامیرے دماغ کا فتور، تم جاؤ اور جا کر اپنی مریم خان کو چپ کراؤ۔ ٹسوے بھارتی ہو گی بیٹھ کر۔" وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی۔

"شٹ اپ۔ تمہارے دماغ میں جس شک کے کیڑے نے کلبی مچار کھی ہے نا میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں یہ الگ بات ہے تم نہ مانو۔" وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا تو پل بھر کو وہ لرز گئی لیکن پھر ہمت کر کے گویا ہوئی۔

"کیا جانتے ہو تم؟ بولو؟"

"یہی کہ تم ہمیشہ خان"، اس نے کچھ لمحے توقف کیا تو وہ سپیٹا گئی۔ "یہی کہ تم ہمیشہ خان کی محبت میں بہت آگے تک نکل پڑکی ہو لیکن اتنا یاد رکھنا گل زریں! جب تک مریم کو اس کا مقام تم نے نہ دیا، میری نظر وہ میں تمہاری اتنی سی بھی عزت نہیں ہو گی اور محبت تو بہت دور کی بات ہے۔" وہ باتھ کے اشارے سے اسکی طرف دیکھ کر بولا۔

"تم سے محبت کون مانگ رہا ہے خان؟ تم تو نفرت دینے کے بھی قابل نہیں"۔ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی تو اس نے اُس پر ایک اچھی نگاہ ڈالی اور کمرے سے باہر نکل گیا اور وہ اپنا سر پکڑ کر وہیں بیٹھ پر بیٹھ گئی۔

وہ بھی ایک ایسی ہی رات تھی۔ ٹھٹھرتی ہوئی رات، بھلی کی چمک، باد لوں کی گرج، آندھی کا شور اور بارش کا ذرور۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ابھی چھت پھٹ جائے گی۔ پورا دل کی طبیعت خراب تھی۔ اماں نی، گل زریں کی والدہ اور آنکھی سب شہر گئے تھے جبکہ گل زریں، مریم خان اور ہمیش خان حویلی میں تھے۔ بادل یوں گرج رہے تھے کہ کان پڑتی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ لانٹ پھلی گئی۔ گل زریں نے کینڈل جلانے کیلئے ماچس تلاش کی لیکن اسے نہ ملی۔ وہ ماچس لینے کیلئے کچن کی جانب جا رہی تھی کہ بلا ارادہ اسکے قدم مریم خان کے کمرے کے سامنے رک گئے۔ اندر سے بلکی ہلکی سکیوں کی آواز اس طرح آرہی تھی جیسے کوئی بہت تکلیف میں ہو۔ اس نے تھوڑا سا دروازہ دھکیلا تو دروازہ کھلتا چلا گیا لیکن اندر کا منظر دل دہلا دینے والا تھا۔

"اچھا براتوں کو چھپ چھپ کر خانوں کی حویلی میں یہ سب کچھ ہو گا"۔ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر وہ خاموش نہ رہ سکی۔ اسکی آواز سن کر ایک دفعہ تو مریم خان اور ہمیش خان جی جان سے لرز گئے۔

"تم راتوں کو چھپ چھپ کر ہماری جا سو سی کر رہی ہو"۔ ہمیش مریم کو بیٹھ پر بیٹھا کر اسکی طرف پکا۔

"چھ ہمیشہ کڑوا ہوتاے ہمیش خان! حقیقت آج میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں۔ تم سب کی غیر موجودگی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو"۔ ہمیش خان کو ناٹ گاؤں اور مریم خان کو بغیر ڈوپٹے کے بیٹھ پر بیٹھے دیکھ کر اسکی آنکھوں میں لہوا تر آیا تھا۔

"تم حقیقت نہیں جانتی گل زریں! جاؤ جا کر اپنا کام کرو"۔ اس نے جب گل زریں کو جانے کا سہما تو اسکے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"اسلنے پھلی جاؤں کہ تمہارے چھمن نہ دیکھ سکوں۔ تمہارے کر تو توں سے دوسروں کو آگاہ نہ کر سکوں یا پھر تمہاری ان منائی جانیوالی رنگ رلیوں پر پردہ ڈال دوں"۔

اسکی الزام تراشیوں ہپر اسکے دماغ کی رگیں تن گئی تھیں۔ وہ بات کاٹ کر گر جتے ہوئے بولائے

"سٹاپ اٹ۔ کیا تم اپنے الزام کی وضاحت دینا پسند کرو گی؟"۔

"وضاحت ہوں۔۔۔۔۔ جب سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں تو وضاحت کیسی اور الزام کیسا؟"

وہ غصے سے دھاڑا اور ہاڑ کا نشان اسکے منہ پر چھوڑ گیا۔

"نہیں ہمیشہ خان! اب میں خاموش نہیں رہ سکتی۔ بہت برداشت کیا ہے میں نے۔ اب مزید نہیں"۔ اپنے گال پر ہاتھ رکھے وہ کراہی۔

"دیکھو گل زریں! تم غلط سمجھ رہی ہو۔ دراصل لائٹ چلی گئی تھی اور ہمیشہ خان جانتا تھا کہ مجھے انہیں ہیرے سے ڈر لگتا ہے تو وہ فوراً میرے

کمرے میں چلا آیا۔ مریم جو کب سے خاموش بیٹھی تھی صفائی دینے کو آگے بڑھی۔

"تم اپنے کام سے کام رکھو۔ مجھے بیوی پڑھانے کی کوشش نہ کرو۔" اس نے انگلی اٹھا کر اسے متنبھہ کیا۔

"تم بات کو سمجھنے کی کوشش کرو گل زر میں! خو مخواہ ایک غلط بات کو طول دے رہی ہو۔ میں تمہیں بتا رہی ہوں نہ کہ لائٹ چلے جانے کی وجہ سے۔۔۔۔۔"

وہ گل زریں اور ہمیش کے نازک رشتے کا احساس کرتے ہوئے بات کو ختم کرنا پاہ رہی تھی لیکن گل زریں نے اسے ٹوک دیا۔

"لائٹ جانے کی وجہ سے وہ تمہیں اپنی روشنی سے نواز نے آگیا مریم خان، یہی بتانا چاہر ہی ہونہ تم۔ اور ہمیش خان تم۔۔۔۔۔ تم نہایت کی گھٹیا، بڑے کردار کے مالک اور گرے ہوئے انسان ہو۔"

"شٹ اپ۔ جسٹ شٹ اپ۔" ہمیشہ خان غصے سے دھاڑا اور آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑ کر گھسیتے ہوئے اسکے کمرے کی طرف چل دیا۔ مریم راستے میں آئی تو ہمیشہ نے اسے دھکا دے کر پنجھے گرا یا اور خود گل زریں کو لیکر چل دیا۔

باہر آندھی کا شور تھا، باد لوں کی گرج تھی، بھلی کی چمک، بارش کا زور، ایک دل دبلا دینے والا منظر اور اس سے بھی خوفناک منظر اسکا منتظر تھا۔

"چھوڑو مجھے"۔ وہ اس سے اپنا بازو چھپڑانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اسکی مردانہ گرفت بہت مضبوط تھی۔

"اتنی جلدی کیسے چھوڑ دوں میری جان! ابھی تو تم نے میرا بڑا پن دیکھا ہی نہیں ہے۔ رنگ رلیاں کیسے مناتے ہیں یہ بھی بتاؤں گا اور میرے
چھسن وہ تو خیر تم جان ہی چکی ہو۔" وہ اسے اسکی کہی باتیں لوٹا رہا تھا۔

"میں کہتی ہوں چھوڑو مجھے"۔ وہ اسکے جارحانہ عرائم دیکھ چکی تھی اور حقیقتاً خوفزدہ بھی ہو رہی تھی۔ اس نے اسے بیٹھ پر بٹھا اور اندر سے دروازہ لاک کر لیا۔ اسکے چہرے پر خطرناک عرائم کی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔ آگے جھک کر اسکے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں جکڑ لیا۔ وہ بری طرح مجھنے لگی۔ قیامت آئی اور گزر گئی۔ اسکی آہ و واویا اسکے کسی کام نہ آسکا اور وہ کسی ساکت پنچھی کی طرح اسکے سامنے ڈھیر ہوتی چلی گئی۔ اسکا وجود ریزہ ہو گیا۔ اس نے کسی بارے ہوئے پنچھی کی طرح اپنے وجود کو سمیننا چاہا لیکن بے سود۔ اسکی انا، اسکی نسوانیت سب کچھ تھے تیغ ہو گیا اسکے پاس کہنے کو کچھ نہ بچا تھا۔

جب اسکی ماں، آغا جی اور اماں بی گھر واپس آئے تو وہ بخار میں بے سُدھ پڑی تھی۔ مریم پاس ہی بیٹھی اسکے ماتھے پر پٹیاں بھگو بھگو کر رکھ رہی تھی جبکہ ہمیش خان ڈاکٹر کو چھوڑنے گیا ہوا تھا۔ وہ سب اسکی ایسی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ آہستہ آہستہ اسکا بخار ٹھیک ہو گیا لیکن وہ یکسر بدلتی چکی تھی۔ اسکی ضد، طنطنه، غزوہ کہیں دور جا کر سو گئے تھے۔ وہ گھنٹوں اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھی رہتی یا پھر باداموں کے باع میں جا کر کسی ایک نقطے پر نگاہوں کو مرکوز کر لیتی کہ کسی کے جھنجھوڑ نے پر اٹھ کر حویلی کی طرف آجائی۔ اسکی یہ حالت دیکھ کر اس کی ماں، اسکی ساس، اماں بی اور آغا جی گھٹ کر جی رہے تھے۔ وہ ہمیش خان اور مریم خان کے سامنے آنے سے کتراتی تھی جبکہ ہمیش خان اندر ہی اندر خود کو اسکی اس حالت کا ذمہ دار قرار دے چکا تھا کہ ایک دن حویلی میں بھونچاں آگیا۔

وہ باغ کی طرف جا رہی تھی کہ ہمیش خان سے سامنا ہو گیا۔ وہ اسکی طرف بڑھا۔

"کسی ہو گل زریں؟"۔ اسکی آواز سن کر اس نے اپنا جھکا ہوا سر اور پر اٹھایا۔

"بر باد ہونیوالوں سے یہ نہیں پوچھا کرتے ہمیش خان کیونکہ انکا چلتا پھرتا و جود بربادی کا پتہ دے رہا ہوتا ہے۔ جو بھی ہوا بہت بڑا ہو، بہت غلط ہوا ہمیش خان"۔

"میں تمہارا شوہر ہو گل زریں! وہ سب میرا حق تھا۔ تم نے اتنی چھوٹی سی بات کوڈ ہن پر سوار کر لیا ہے"۔ وہ اسکی حالت دیکھ کر بہت رنجیدہ ہو رہا تھا۔

"حق ایسے وصول نہیں کیا جاتا ہمیشہ خان! اور وہ چھوٹی سی بات کب تھی؟ میری عزت، میر اوقار، میری خودداری و نسوانیت سب کچھ تو تم نے داؤ پر لگا دیا۔ تم کہتے ہو وہ چھوٹی سی بات ہے، یہ سب کچھ اگر تمہاری مریم خان کیسا تھا ہوتا تو میں تمہیں پوچھتی"۔ اس نے لب و لبھ کو مکل طور پر نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں ہمیشہ خان ایک لفظ بھی نہیں۔ تمہاری سوری میری ذات کی اڑائی گئی دھمکیوں کو نہیں سمیٹ سکے گی۔ تمہاری ندامت بھبھی بھی مجھے اپنی نظروں میں باکردار ثابت نہیں کر سکے گی۔ میں ہر لازام سہہ لوں گی لیکن تمہارے اور مریم خان کے درمیان سے ہٹ جاؤں گی کیونکہ قصور میرا ہے کہ تم جیسے پتھر دل انسان سے محبت کر بیٹھی۔ میں تمہیں کی دھڑ کنوں میں نئے رنگوں کیسا تھوڑا سجا کر تختہ ستم پر بٹھا دیا۔ تم تو میرے لئے وہ قوت تھے ہمیشہ خان جس نے میری محبت کو طرح طرح کے رنگوں سے نوازا تھا لیکن تم کیا نکلے۔۔۔۔۔۔" وہ روپڑی۔

"مگر زریں! تم بے فکر رہو تم پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ میں آنکھی سے رخصتی کی بات کرتا ہوں۔" وہ ایک قدم آگے بڑھا تو وہ ایک قدم پچھے ہٹ گئی۔

"ہمیشہ خان تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنی نظروں میں بہت گر گئی ہوں دوبارہ نہیں اٹھ سکوں گی۔ اسلئے تم سکون سے اپنی زندگی مریم خان کیسا تھا گزار سکتے ہو۔" وہ تھوڑی دیر کوڑ کی۔ "اسلئے کہ تمہارا دل مریم خان کیسا تھا دھڑکتا ہے۔ تم نے بات یونیورسٹی تک محدود نہیں رکھی بلکہ مریم خان کو حویلی میں لے آئے۔ میں اس خاندان کی روایتوں سے واقف ہوں خان! مرد لوگ باہر عیاشی کرتے ہیں لیکن عیاشی کا سامان حویلی لانے سے حتی الامکان گریز کرتے ہیں۔ تم نے تو باپ دادا کی عربت کا بھی خیال نہ کیا اور اس گناہوں کی پوٹلی کو حویلی اٹھا لائے۔"

"بس گل زریں! چپ ہو جاؤ۔ اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ اسکی بات سن کر غصے سے دھاڑا جبکہ باہر نکلتی مریم، گل زریں کی باتیں سن کر وہیں زمین بوس ہو گئی۔ وہ اسکی طرف بجا گا۔

"مریم۔۔۔ مریم آنھیں کھولو۔ کیا ہو یا ہے تمہیں؟" وہ اندر کی طرف بجا گا جبکہ گل زریں حیران و پریشان بھی مریم کی طرف دیکھتی اور بھی دروازے کی جانب جہاں سے ہمیشہ خان اندر گیا تھا۔

"آغا جی، اماں بی پتہ نہیں مر کو کیا ہو گیا ہے۔" وہ رو رہا تھا۔ سب باہر کی طرف بجا گے اس نے جلدی سے بے ہوش مریم کو اٹھایا اور کاڑی میں ڈال کر اندر ھند شہر کی جانب چل دیا۔

"کیس بہت پچیدہ ہے ہمیشہ آفریدی۔ مریضہ کے دل کے دو والوں پہلے ہی بند ہیں۔ ہمیں فوراً آپریشن کرنا ہو گا۔ آپ ہمیں اجازت دیں۔" ڈاکٹر معاذ اسی سے مخاطب تھے۔

"پلیز ڈاکٹر جلدی کریں۔" اس نے جلدی جلدی انہیں فائل دستخط کر کے دیئے۔

"آپ لوگ دعا کریں۔" ڈاکٹر فائل پکڑتے ہوئے بولا اور آپریشن تھیٹر کی جانب چل دیا۔

ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین۔۔۔ چار۔۔۔ پانچ۔۔۔ چھ گھنٹے تک مسلسل آپریشن ہوتا رہا جبکہ وہ تمام لوگ آپریشن تھیٹر کے باہر میں کھڑے رہے۔ وہ کوریڈور کے آخری کونے میں کھڑی مریم خان کی زندگی کیلئے دل سے دعائیں گے۔ وہی جب ہمیشہ خان اسکی جانب بڑھا۔

"اگر مریم کو کچھ ہو گیانا۔۔۔ تو گل زریں بیگم میں تمہیں ساری زندگی معاف نہیں کروں گا۔ ایسی سزا دوں گا کہ عمر بھر یاد رکھو گی۔ بڑی مشکل سے میری بہن مجھے ملی تھی گل زریں، میں نے دن رات اسے تلاش کیا تھا جب وہ مجھے ملی تھی ناں تو زندگی سے ما یوس ہو چکی تھی۔ اسے میں زندگی کی جانب لایا۔ وہ اتنی چھوٹی سے عمر میں ہارٹ پیشٹ تھی۔ اس سے قبل دو ہارٹ اٹیک ہو چکے ہیں اسے ایک اماں کی وفات پر اور ایک۔۔۔ اگر۔۔۔ میری مریم کو کچھ ہو گیا تو بخشوں گا تمہیں نہیں۔ سنا تم نے۔۔۔ میں نے اسکی خاطر اپنی ساری دوستیاں ختم کر ڈالیں۔ اب اگر۔۔۔ نہیں میری مریم کو کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ تم جانتی ہو زریں کہ خان جب تک اپنے دشمن سے انتقام نہ لے لے نہ

سو تا ہے نہ کھاتا ہے اور نہ ہی چین سے بیٹھتا ہے۔" اسکا انکشاف واقعی دل دبادینے والا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ سوچتی اسکی آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھاگیا۔ قبل از میں وہ فرشش کی جانب لڑھکتی، پاس کھڑی پورڈل نے اسے اپنے ہاتھوں سے تھام لیا۔

"ان حالات میں ایسا ہو جاتا ہے بیگم صاحبہ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں چند ادویات لکھ رہی ہوں ان سے جلد ہی انکی کمزوری دور ہو جائے گی۔" اسکی ماں اور پاس بیٹھی پورڈل کے چہروں پر کوئی سایہ سا آ کر گزر گیا۔

"کیا مطلب؟ میں آپکی بات سمجھی نہیں۔" پورڈل نے ہمت کر کے بولی۔

"آپکی بہن امید سے ہیں۔" یہ سنتنا تھا کہ گل زریں اپنے حواسوں میں آگئی۔ وہ دونوں چپ چاپ خود کو گھسیٹ کر باہر لے آئیں۔ باہر نکلنے کی دیر تھی کہ اسکی ماں یوں گریں کہ دوبارہ نہ اٹھ سکیں جبکہ وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر ماں سے لپٹی جا رہی تھی۔

حوالی میں دوالاشیں اکٹھی آئیں تو کہرام برپا ہو گیا۔ آغا جی بھی گل زریں کو دلاسہ دیتے کہ ماں کے بعد وہ تنہا ہو گئی تھی بھی ہمیشہ خان کو گلے لگاتے کہ جوان بہن کی موت کا غم کسی بھی طرح کم نہ ہونیو والا تھا۔

گزرتِ دنوں کی ساتھ ساتھ سب کو آہستہ آہستی قرار آ گیا لیکن شاید امتحان جلدی ختم نہیں ہوتے۔ گل زریں نے سلیپنگ پلز کھالیں۔ اگر اس دن پورڈل اسکے کمرے میں نہ جاتی تو شاید بہت دیر ہو جاتی۔ ڈاکٹرز نے اسے بچالیا اور اس نہیں کو نیل کو بھی جو اسکی سانسوں میں خوبصورے رہی تھی لیکن ہمیشہ خان نے اس بات کو ایشو بنا کر گل زریں سے شادی سے انکار کر دیا۔ گل زریں نے اس سے دلوک بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ "ہمیشہ خان تم مجھ پر بہتان لگا رہے ہو۔ کیونہیں جانتے کہ یہ بچہ کس ہے؟" وہ اسے دلائل دے رہی تھی۔

"میں نے تمہیں کہا تھا نہ کہ اگر مریم کچھ ہو گیا تو بخشوں گا میں تمہیں بھی نہیں۔" وہ دلوک فیصلہ کر چکا تھا۔

"تم جانتے ہو میں حقیقت سے آگاہ نہیں تھی اور جب مجھے حقیقت کا پتہ چلا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔" وہ اسے کسی بھی طریقے سے روکنا چاہ رہی تھی۔

"تم نے اپنے اندر خواہشوں کیا ایک دنیا بس رکھی تھی گل زریں یہ جانے بغیر کے خواہش کا ہر پل خواہش کی ایک دنیا ہے اور خواہش کی دنیا زندگی کی ایک جھلک ہے اور زندگی ۔۔۔۔۔ گل زریں زندگی ہر پل خواہش کا امتحان ہے"۔ وہ اسے ایک نئے فلسفے میں الجھا کر فرار چاہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے خان! اگر خواہش کا انعامِ رسوائی ہے تو میں محبت اور خواہشوں کے اس جہاں میں رہا ہی خوش ہوں۔ جانے سے قبل اتنا کر دو کہ گھروالوں کو اس حقیقت سے آگئی دے دو جو صرف تم اور میں جانتے ہیں"۔ اسکے لمحے میں عجیب سی چجھن تھی۔
"نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پچھے سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہو گا"۔ وہ کڑے تیورو سے بولا۔

"ٹھیک ہے ہمیشہ خان ایسا ہی سہی پھر صرف ایک کام اور کر دو۔ اپنی زبان کو کاٹ کر کھینچ پھیکو دو کیونکہ جس زبان کی میاتھ حق کی بات نہ کی جائے اسے سرے سے کاٹ دینا اچھا ہوتا ہے"۔ وہ سنجیدگی سے بولی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ آگے کاراستہ کا نٹو بھرا ہے اور اسکے پاؤں آبلہ پا ہوں گے لیکن وہ بے بس تھی، مجبور تھی۔ آج اسے ہمیشہ خان اس بڑے پتھر کی طرح لگ رہا تھا جو ہمیشہ ندی کی تہہ میں دھنسا ہوتا ہے لیکن جب اسے بلادیا جائے تو ساری ندی موج اور تہہ و بالا ہو جاتی ہے۔ وہ رکا نہیں چلا گیا سارے کانٹے اسکی جھوٹی میں ڈال گیا۔ یہ جانے بغیر کے اسکے پاؤں پہلے پہ زخمی میں کانٹوں کو چنتے چنتے ہاتھ زخمی اور آنکھیں اندھی کر لے گی۔

خوشنود آفریدی خان کی جب دو سال تک اولاد نہ ہوئی تو اس نے شہر میں ایک بے سہارا عورت کی بیٹی سے شادی کر لی۔ ادھر اس سے شادی کی اُدھر زرینہ بی (بی اماں) امید سے ہو گئیں۔ داور خان کی پیدائش کے کچھ ماہ بعد ہی شہر والی بیوی کے ہاں مریم خان نے جنم لیا۔ زرینہ بی پاں داور خان کے بعد کوئی اولاد نہ ہوئی جبکہ ندرت بانو کے ہاں مریم خان کے بعد ہمیشہ خان نے جنم لیا۔ خوشنود آفریدی، ہمیشہ آفریدی اور مریم خان کو حویلی میں لانا چاہتے تھے لیکن انکے باپ نے اجازت نہ دی۔ باپ کی وفات کے بعد ندرت بانو نے اس شرط پر ہمیشہ خان کو اسکے حوالے کیا کہ مریم خان مار کے پاس ہی رہے گی۔ خوشنود خان جب تک زندہ رہا اپنی بیوی اور بیٹی سے ملنے شہر جاتا رہا جبکہ ہمیشہ خان کو اسکے متعلق کچھ نہ بتایا۔ پورا دل اور داور خان کے نکاح سے ایک دن پہلے خوشنود خان نے ساری سہمانی ہمیشہ کو سناداںی اور وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ خان کو اسکی ماں

اور بہن سے ضرور ملوائے گا لیکن انہیں زندگی نے مہلت نہ دی۔ ایک حادثے میں اپنی زندگی ہار گئے۔ ہمیشہ خان کو چند سالوں بعد اپنے باپ کے ایک دوست کے ذریعے اپنی ماں اور بہن کا پتہ چلا۔ وہ ملنے گیا تو اسکی ماں زندگی کی بازی ہار چکی تھی جبکہ اسکی بہن ایک خوبصورت مکان میں زندگی سے مايوس ہو کر دن پورے کر رہی تھی۔ وہ بہت حساس تھی۔ ہمیشہ خان اسے زندگی کی طرف واپس لانے کیلئے تگ و دو کرنے لگا۔ اسے نئے سرے سے پڑھائی کی طرف راغب کیا۔

وہ اپنی بہن کی حالت دیکھ کر اندر تک لرزا جاتا اور جب ڈاکٹر زنے بتایا کہ اتنی چھوٹی عمر میں دوبارٹ اٹیک ہونے کی وجہ سے دل کے دو والوں بند ہو چکے ہیں۔ وہ بہت مايوس ہو گیا لیکن اپنی محبتیں اور لفظیں اپنی بہن پر لوٹاتا چلا گیا۔ گل زریں کی باتیں اسے اندر سے کمزور کرتیں لیکن وہ اس وقت تک اسے حقیقت نہیں بتانا چاہتا تھا جب تک مریم کو اسکا اصل مقام نہ دلادیتا لیکن جب مریم کو اسکا اصل مقام ملا گل زریں اس وقت شکوک و شبہات کی زد میں اس طرح پاؤں پاؤں دھنس چکی تھی کہ باہر نہ نکل سکی اور اسکی زہرا گفتگی زبان اور شعلے پکاتی آنکھوں سے مریم خان اپنے وجود کو بچانہ سکی اور ہمیشہ کیلئے بھائی کو تنہا چھوڑ گئی اور گل زریں کے حصے میں بھی صرف خسارہ ہی آیا۔

"دیکھو گل زریں! باہر نکلو۔ بیٹا کب تک کمرے میں یوں ہی بند پڑی رہو گی؟"۔ اماں نبی اسے پیار اور محبت سے سمجھا رہی تھیں۔ انہیں بھی ہمیشہ خان کے جانے کا بہت ڈکھ تھا۔ انہوں نے کبھی داورخان اور اس میں کوئی فرق روانہ رکھا تھا۔ انہوں نے حویلی آنے پر مریم کو بھی اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا تھا۔

"جی اماں نبی! آرہی ہوں"۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تو اماں نبی چپ چاپ باہر نکل گئیں۔

"دیکھو گل زریں! حال اگر حال رہے تو قبرستان بن جاتا ہے۔ اگر دل میں ٹھیک نہ ہو تو ایک جیسا سکوت موت کی علامت ہے۔ انقلاب ہی اصل زندگی کا نام ہے۔ اٹھو۔۔۔ سب تمہارے لئے پریشان ہیں"۔ پوردل اسے رسانیت سے سمجھا رہی تھی لیکن وہ شاید کچھ بھی سمجھنے پر تیار نہ تھی۔

"دیکھو گل زریں! اگر تم بچے کی وجہ سے پریشان ہو تو ابھی دو ماہ ہی ہوئے ہیں ہم کسی بھی اچھی ڈاکٹر سے۔۔۔"

"پلیز پوردل چپ کر جاؤ۔ آئندہ ایسی کوئی بات نہ کرنا۔ کیونکہ اگر محبت کا انعام روایہ ہونا لکھا ہے تو مجھے یہ رسولی منظور ہے۔ پتہ ہے پوردل میں نے کہیں پڑھا تھا کہ محبت میں آہ و فغا اور درد کا وجود لازم ہے کیونکہ محبت آہوں، فریادوں اور درد کا نام ہے۔ اسلئے ہمیشہ خان کے نام پر مجھے

تمام درد قبول ہیں۔ وہ اسکی حالت پر کٹ کر رہ گئی وہ ساری حقیقت جانتی تھی کیونکہ گل زریں نے نیم یہو شی میں جب ساری بات اگلی تھی اس وقت اسکے پاس صرف وہی تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ ہمیشہ خان سے کتنی محبت کرتی ہے۔
بہار میں جو بچوں مسکراتا ہے وہ جلد مر جھا جاتا ہے۔ جو لالہ صحرائیں کھلتا ہے وہ اسکی پیسوں کی لکنچر فقار کو منتشر کر دیتا ہے۔ آسمان کے تھپیڑے خشک مٹی کو اٹھا کر کہیں سے کہیں لا پھینکتے ہیں۔ اسی کو تقدیر کا نام دیا جاتا ہے کہ تقدیر چاہے تو محبوتوں کو نئے رنگ بخش دیتی ہے اور چاہے تو پرانے رنگ بھی نوجہ ڈالے۔

"اے خدا! یہ کس صحراء سے میرا گزر ہو رہا ہے؟ آنکھوں سے نیند اڑ گئی ہے۔ پاؤں پر آبلے ہے، راہ میں کانے میں، چاروں طرف گھٹا گھپ اندھیرے اور طوفان ہے۔ میں جاؤں تو جاؤں کہاں؟"۔ وہ اپنی حالت پر خود ہی سُک رہی تھی۔ آج وہ اس آجرا اور ویران مکان کی طرح ہو گئی تھی جہاں کوئی آنا پندرہ نہیں کرتا جیسے کوئی مزدہ قبرستان میں ہو۔ وہ وقت کی چکی میں اس طرح پس بھی تھی جیسے جس طرح بچوں مٹی کیسا تھا دھول بن کر چمن میں بکھر جاتا ہے۔ احساس کی آنکھیں اس نے خود ہی اندھی کر لی تھیں آہاب سکتا تھا۔

پھر سردیوں کی ٹھیٹھر تی رات کو اس نے ایک بچی کو جنم دیا۔ آغا جی اور داورخان نے اس بچی کو ہمیشہ کا نام دیا تو گل زریں نے ہمیشہ اور مریم کی محبت کے پیشِ نظر مریم یعنی پاکیزہ رکھ دیا۔ دن ہفتے اور ہفتہ مہینوں میں بدلتے چلے گئے۔ وہ جو گیا تو ایسا گیا کہ واپس نہ لوٹا۔ آج اٹھ سال گزرنے کے بعد داورخان کی ذرا سی بات اسے اس کے ماضی میں لے گئی۔ اس ماضی میں جسکا ایک ایک پرست اس نے اپنی بیٹی سے چھپا رکھا تھا۔ مریم خان سارا سارا دن ہمیشہ خان کی تصویر ساتھ لئے پھرتی۔ ماں کی نم آنکھیں دیکھ کر اسکا نخاد ماغ صرف اتنا سوچتا کہ انہیں بابا یاد آرہے ہیں۔ وہ جیسے ہی مریم کو مسکول سے لیکر لوٹی اسکے پاؤں گویا زمین نے جکڑ لئے۔ وہ سامنے ہی آغا جی کے قدموں میں بیٹھا تھا اور ساتھ ہی اماں بی، داور لالہ، نخاشیر خان۔ اس نے ایک نظر سب پر غصے بھری ڈالی اور مریم کو وہیں چھوڑ کر سرپٹ اور پرانے کمرے کی جانب بھاگی۔ آنسو جانے کب سے رکے تھے۔ ایک دم سے ہی گریبان پر لہو کی بارش کرنے لگے۔

"آؤ نا مریم"۔ مریم کا نام سن کر وہ چونکا اور جھکا ہوا سر اٹھایا تو آنکھوں میں ڈھیر دل جسرا نی سمیٹے اس ننھی بچی کی جانب دیکھنے لگا جو بمشکل ساڑھے سات سال کی ہو گی۔

"مریم! بھلا پہچانو تو یہ کون ہیں؟" پوردل اسے انگلی سے پکڑ کر ہمیشہ خان کے سامنے لے آئی۔

"یہ---" وہ مسکرائی، "یہ میرے بابا ہیں۔ ہیں نہ نانو۔" وہ آنماجی کی طرف دیکھ کر بولی تو ہمیشہ خان نہ ٹھنڈا۔

"بaba! کیا مطلب---" اس نے سوالیہ نظروں سے سب کی طرف دیکھا۔

یہ گل زریں کی بیٹی ہے مریم۔ ہم نے تم سے پوچھے بنا اسکی ولدیت میں تمہارا نام لکھوادیا کیونکہ بہر حال لوگوں کیلئے تم ہی گل زریں کے شوہر تھے۔ داورخان نظریں جھکا کر بولے کہ نہ جانے ہمیشہ خان کیا جواب دے لیکن اسکا جواب سن کرو وہ چونکے بنانہ رہ سکے۔

"یہ میری ہی بیٹی ہے داورالله! میں ہی اس بد نصیب مریم کا باپ ہوں۔" وہ ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ مریم کو پکڑ کر گلے سے لا کر بھینچ ڈالا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ پھر اس نے شروع سے لیکر آخر تک سب کہہ دیا۔ سب کی حالت بہت بڑی تھی۔ آنماجی شاکر تھے تو داورالله مزید ندامت سے سر کو جھکا گئے کہ وہ خود ان سے آنکھیں ہی نہ ملا پا رہا تھا۔

"آپ میرے بابا ہیں نہ؟"، مریم معصوم سا چہرہ لئے اپنے نہے منے ہاتھوں کے پیالے میں اسکا چہرہ سمو کر بولی۔

"ہاں میری جان! میں ہی آپکا بابا ہوں۔" وہ بردہ طرح سماں پڑا اور اسے ایک دفعہ پھر سینے سے لگایا کیونکہ وہ حقیقت جانتا تھا، دکھ جانتا تھا لیکن بے بس تھا۔

"بaba! میری گڑیا کدھر ہے اور شیرخان کی سائیکل؟" اس نے سوالیہ نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔

"گڑیا اور سائیکل---"

"ماما کہتی تھیں جب بابا آئیں گے تو ڈھیر ساری چیزیں لا لائیں گے وہ۔" اسکوں یونیفارم میں کوئی نہ سافر شلتگ رہی تھی۔

"میں اپنے بیٹے کو ساتھ لیکر جاؤں گا اور اسکی پسند کی گڑیا سے دلواؤں گا۔" وہ اسکی محبت پر سرشار ہی تو ہو گیا تھا۔

"اور شیرخان کی سائیکل بھی۔" وہ تنبیہ کرے ہوئے بولی تو وہ مسکرائے بنانہ رہ سکا اور مریم سیڑھیوں کی طرف بھاگ گئی۔

"بہت برا کھیا پھے، بہت برا۔ وہ شروع سے ہی ضدی تھی۔ اتنا بڑا الزام تو اس نے اپنے سر لے لیا۔ کبھی ایک لفظ نہ کہا۔ یہی ظاہر کرتی رہی جیسے۔" اماں بیچپ ہو گئیں تمام آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

"میں بہت شرمند ہوں اماں بی۔ میری وجہ سے اتنا کچھ ہو گیا۔ وہ سب کی نظروں سے گر گئی لیکن میں کیا کرتا؟ مجھے اس وقت مریم کے علاوہ کچھ دکھائی ہی نہ دے رہا تھا نہ اسکے آنسو نہ اسکی حالت، مجھے صرف اس بات کا غصہ تھا کہ اس نے مجھے سمجھا ہی نہیں، میں اسے مریم کا قاتل سمجھتا رہا۔ اس نے بی اماں کی گود میں سر رکھ دیا اور آنسو تو اتر سے بہنے لگے۔ انہوں نے اسے جنم نہیں دیا تھا لیکن سینے سے لگا کر راتوں کو تھپکیاں دیں تھیں۔ اسکی تکلیف پر راتیں جاگ کر گزاری تھیں۔ اس پر اپنی ممتا نچاہو رکی تھی۔ اسکی حالت دیکھ کر انکا دل ڈوب رہا تھا۔

"بس ہمیشہ بچے! یہی قسمت میں لکھا تھا۔ اگر اس نے مریم کیا تھے کچھ سمجھا تو حقیقت قطعی سے لاعلم ہو کر۔ اس نے زندگی کے آٹھ سال کھستر ج گزارے ہیں اسکے گواہ ہم سب ہیں۔ کتنی بار مر نے کی کوشش کی لیکن خدا کو اسکی اور مریم کی زندگی منظور تھی۔ جا بیٹاں سے معافی مانگ لے۔ سب کچھ بھلا کر قدم بڑھا شاید وہ تیری راہ دیکھ رہی ہو۔ محبت کرنے کی اتنی بڑی سزا نہیں دیتے بچے۔" وہ ماں تھیں اسی محبت، اپنا نیت اور رسان سے سمجھا رہی تھیں۔ اس نے انکی گود سے سر اٹھایا اور آگے بڑھ کر آنکھی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔
"پلیز آنکھی مجھے معاف کر دیں۔"

"کیسی معافی بیٹا۔۔۔ معافی مانگنا ہے تو گل زریں سے مانگو جس نے آٹھ سال کا نٹوں پر گزارے ہیں جو حقیقت بتانے پر بے بس تھی۔ جاؤ بیٹا گل زریں کے پاس، جب تمام معاملہ واضح ہو گیا ہے تو منہ چھپانے سے کیا فائدہ۔۔۔ ہمت کرو۔" آنکھی اسکے جڑے ہاتھوں کو پکڑتے ہوئے بولے تو وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ گویا اسے ایک راستہ مل گیا ہو۔

دن ڈھلتا چلا گیا اور رات نے آہستہ آہستی اپنے سیاہ پر پھیلادیئے جب وہ ندامتوں سے جھکا سر لئے گل زریں کے کمرے میں گیا۔ اس نے

دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون ہے آجاو۔" اسکا خیال تھا پورا دل ہو گی لیکن ہمیشہ خان کو دیکھ کر وہ جو بیٹہ پر اوندھے منہ لیٹھی تھی فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
"آپ۔۔۔ آپ کیوں آئے ہیں یہاں؟" وہ خفیف سی ہو کر بولی۔

"میں کیوں نہیں آسکتا ہوں یہاں۔۔۔ مگر ہے یہ میرا، بیوی ہوتا تم میری اور۔۔۔ اور ایک بیٹی کا باپ ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"نیٹی۔۔۔ بیٹی کا وجود تو آپکو اس گھر سے نکالنے کا سبب بنا تھا ہمیشہ خان، کیسی بیٹی اور کس کی بیٹی۔۔۔ وہ صرف گل زریں آفریدی کی بیٹی ہے۔۔۔ اسکی آنکھوں میں سرخی اور لب والجھے میں تلنگی اتر آئی تھی۔۔۔ وہ دکھ کے مارے اسے دیکھنے لگی۔

"میں سب سے معافی مانگ چکا ہوں گل زریں! سب نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ حقیقت کیا ہے سب کو بتا چکا ہوں کیا تم مجھے معاف نہیں کرو گی؟" وہ بیڈ کی پانچتی پر بلیٹھتے ہوئے بولا وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

"سب نے آپکو معاف کر دیا۔۔۔ اور۔۔۔ میرے گزشتہ ماہ و سال کا حساب کون دے گا ہمیشہ خان کہ میں نے وہ دن کس کرب میں گزارے۔۔۔ میری ماں۔۔۔ میری ماں ندامت سے جھکا سر لیکر اس دنیا سے چلی گئی۔۔۔ جب مجھے تسلی کے دلوں کی ضرورت تھی تب آپ۔۔۔ ہمیشہ خان یہ کہہ کر چلے گئے کہ میں نے خواہشوں کی دنیا بسا لی ہے اور آج جب میں اپنے ریزہ ریزہ ہوتے وجود کو بمشکل سمت پائی ہوں تو آپ مجھے پھر ریزہ ریزہ کرنے آپنے ہیں۔۔۔ ایک کمزور لمحے میں آپ نے مجھ سے میرا نسوانی غور چھین لیا اور مجھے ترپنے کیلئے چھوڑ دیا۔۔۔ نم آنکھوں اور تھکے وجود کیسا تھا وہ اسے پیشمانیوں اور ندامتوں میں گھیر گئی لیکن وہ ہمت نہ ہارا۔

"میری طرف دیکھو گل زریں! کیا تمہیں میری محبت پر شک ہے؟ میں نے تمہیں ٹوٹ کر چاہا ہے گل زریں۔۔۔ شاید اس محبت کا ادراک مجھے کبھی حاصل نہ ہوتا اگر میں تم سے اتنی دور نہ جاتا تو۔۔۔ آٹھ سال۔۔۔ آٹھ سال کس ذہنی کرب میں گزارے ہے میں نے، یہ میں ہی جانتا ہوں۔ میں کب سے خود میں ہمت جمع کر رہا تھا لیکن تمہارا سامنا کرنے سے ڈرتا تھا۔ اگر آج داولالہ مجھے نہ لاتے تو شاید میں کبھی نہ آتا۔۔۔

وہ نظر میں جھکاتے رو رہا تھا۔ دل کا سارا درد آنسوؤں کیسا تھا بہہ رہا تھا۔ اسے یوں ٹوٹے دیکھ کر اسکے دل کو کچھ ہوا لیکن وہ جلدی کمزور پڑنا نہ چاہتی تھی۔

"آپ نے اگر آٹھ سال ذہنی کرب میں گزارے ہیں تو وہ آپکی کسی لغزش کی سزا تھی ہمیشہ خان کیونکہ میں نے آپکو اسی دن معاف کر چکی تھی جب مریم نے میری کو کھ سے جنم لیا تھا۔۔۔ وہ کسی بارے ہوئے کھلاڑی کی طرح بولی۔

"ایسے نہیں گل زریں! اگر وقت کے چراغ روشن ہو گئے میں تو ان سے اپنے حصے کی روشنی حاصل کرنا ہو گی۔ تم اگر اس طرح مجھے معاف کرو گی تو میں واپس چلا جاؤں گا۔" وہ اسکی بات سن کر ترقبہ اٹھی۔ نگاہ اوپر اٹھائی، جہاں نگاہ سے نگاہ ملی محبت نے اپنا جادو چلا دیا۔ ایک آنونس پلکوں کی باڑ توڑ کر باہر نکلا اور اسکے ڈوپٹے میں جذب ہو گیا۔

"میں خالی پا تھا اور خالی دامن لوٹا ہوں گل زریں! پلیز مجھے خود سے، اپنی بیٹی سے اور ان پیارے رشتؤں سے محروم نہ کرو"۔ اس نے اسے تڑپ کر دیکھا تو ہمیشہ خان نے اسکے سامنے بے اختیار اپنے ہاتھ باندھ دیئے۔ گل زریں نے تڑپ کر اسکے بندھے ہاتھ پکڑ لئے۔

"ایسا نہ کہیں ہمیش! اب ہم آپکو کہیں نہیں جانے دیں گے۔" اس نے دل کو سمجھا لیا تھا۔ اپنی بیٹی کی خاطروں سمجھوتارے پر راضی ہو گئی تھی۔

"پتہ ہے گل زریں! ایک بار تم نے شائستہ شنواری سے کہا تھا کہ کاش تم محبت میں اتنی با اختیار ہوتی کہ میں تمہارے دل اور تم میری آنکھوں میں ہوتی اور آج گل زریں آج واقعی ہی میں تمہارے دل اور تم میری آنکھوں میں ہو، میرا عشق بھی کامل ہے اور تمہارا حسن بھی کامل ہے۔ یہ سچ ہے گل زریں تم میری محبت تھی تب سے جب ہمارا نکاح ہوا تھا لیکن اظہار کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا تھا جو بھی ہوا اس میں نہ تو تمہارا قصور تھا نہ ہی میرا لیکن سزا ہم دونوں کو ملی۔" اسکے محبت سے لبریز لمحے میں اس اقرارِ محبت پر گل زریں کی آنکھیں بہنے لگیں۔

"آئی ایم سوری۔۔۔ رئیلی سوری ہمیشہ خان! میں نے جان بوجھ کر تمہیں کبھی بھی تکلیف دینا نہیں چاہی۔ مریم کے معاملے میں صرف یہی کھوں گی جو بھی کیا وہ میری محبت کی انتہا تھی۔ وہ ایک تسلسل سے رو نے لگی تو ہمیشہ خان نے اسکے آنسو اپنی انگلیوں سے چن لئے۔

"ہم پچھلی باتوں کو بھلا کرنے کی زندگی شروع کریں گے اس وعدے کیسا تھا کہ کسی غلط فہمی کو دل میں آنے نہیں دیں گے۔" ابھی وہ اور پچھہ کہتا لیکن وردل کی آواز سن کر کہتے رک گھا۔

"ہمیش لالہ میں نے آپکا کمرہ صاف کروادیا ہے"۔ پوردل کی آواز سن کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد آیا تو سونی ہوئی مریم کو اس نے کندھوں پر اٹھا کھاتھا

"اے سہ کھاں سو گئی؟" وہ اسے اٹھانے کو آگے بڑھی۔

"یہ میرے کمرے میں سو گئی تھی۔ ویسے میں نے پورا دل سے کہہ دیا ہے کہ میرا کمرہ بند کر دے۔" اسکی بات سن کر مریم کو اٹھاری گل زریں چونکی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جناب آٹھ سال ہو گئے تہارہ میتھے ہوئے، تنہا کھاتے ہوئے، تنہا سوتے ہوئے۔۔۔۔۔ آخری الفاظ اس نے گل زریں کو دیکھ کر کہے توہ جھینپ کھی،" بھی اتنی خوبصورت بیوی کے ہوتے ہوئے کون کافر تہارات بسر کرے۔" وہ بیٹہ پر لبستہ ہوئے بولا تو مریم کسمانی اور گل زریں مریم کو لیکر باہر کی طرف پلکی۔

"اب تم کہاں جا رہی ہو؟" وہ اسے ڈوپٹنے سے کھینختے ہوئے بولا۔

"میں۔۔۔ وہ میں۔۔۔ ذرا مریم کو اماں بی کے پاس چھوڑ آؤں۔"

اسکی پرحدت نگاہوں کی پیش سے گل زریں کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھر گئے تھے اور اس نے وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت جانی تھی اور اسکی یہ کیفیت دیکھ کر ہمیشہ خان کے اندر ایک انہوں سے کیفیت سراہیت کر گئی۔

"ذرا جلدی آنا۔" اسے آواز لگاتے ہوئے وہ سوچتا تھا کہ وفا کے معنی میں جو رنگیں ہے مجت میں اتنا ہی جوش ہے اور مجت کا جوش کائناتِ دل کی دولت کی ایک جھلک ہے اور یہی مجت کی کامرانی ہے۔

دوسری طرف مریم کو گل زریں، بی اماں کے کمرے کی طرف لیجاتے ہوئے صرف اتنا سوچ رہی تھی کہ جب صحرائیں ابر بر سنے کو تیار ہو جائے تو صحرائی خشک مٹی کو قرار آ جاتا ہے۔ بھر کے لمباؤ میں صحرابارش کے وصال کی تمنا کرتا ہے اور جب اسے وصال سے نواز دیا جاتا ہے تو پھر دھوپ کی تمازت خود بخود زائل ہو جاتی ہے۔ اسکی جگہ گھناؤ ناسایہ اسے یوں آنزوں میں لے لیتا ہے جیسے برسوں کا ساتھ ہو اور مسافت حادثوں کی دھول بن کر دیا ردل سے دور جا بستی ہے۔